بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پھول کھلتے مرے اشاروں پر

ہمیشہ کامیابی نے قدم چومے ہیں بڑھ بڑھ کر
سفر پہ جب بھی میں ماں کی دعائیں لے کے نکلا ہوں

پھول کھلتے مرے اشاروں پر

افتخار شاہد

ناشر:

ارباب ادب پبلی کیشنز، لاہور

اسٹاکسٹ:

سعد پبلی کیشنز

فرسٹ فلور، میاں مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-7122942

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تزئین و اہتمام: ——— یعقوب انجم

اشاعت: ——— اپریل 2008ء

سرورق: ——— عمران شناور

کمپوزنگ: ——— سعد پبلی کیشنز

مطبع: ——— حافظ جمیل پرنٹنگ پریس، لاہور

بائینڈنگ: ——— احمد بک بائنڈنگ

قیمت: ——— 150 روپے

ناشر:

ارباب ادب پبلی کیشنز

217۔ سرکلر روڈ۔ لاہور۔

فون: 0346-6611401

انتساب

سعد کے نام

جس نے مجھے دکھی انسانیت سے محبت سکھائی

میں وقت کا منصور ہوں سولی پہ چڑھا دے
تو صاحبِ منصب ہے تری بات بجا ہے

حرفِ آغاز

ایک وقت تھا جب ڈسکہ شہر میں ادبی سرگرمیاں عروج پر ہوتی تھیں۔ یہ 80ء کی دہائی تھی۔ حلقۂ اربابِ ذوق کے تحت ہونے والی تنقیدی نشستیں اور قرضِ قلم اکادمی کے تحت تواتر سے ہونے والے مشاعرے شعری اور تخلیقی سفر کے عکاس تھے۔ ان تنقیدی نشستوں اور مشاعروں میں نہ صرف ڈسکہ بلکہ لاہور، خانیوال، پسرور، نارووال، جہلم، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، دینہ، وزیرآباد سے بھی مہمان تشریف لایا کرتے تھے جن کی شرکت سے نہ صرف مشاعرے پر رونق ہوتے تھے بلکہ ان شہروں میں فروغ پانے والی شاعری اور تصورات سے ڈسکہ کے شاعروں کو بھی انگیخت ملتی تھی۔ رشید میواتی مرحوم، نجم عکاشی، ڈاکٹر اقبال جنجوعہ اور میں خون ان محفلوں کے روح رواں ہوا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں مجھے ڈسکہ کی شاعری کی تاریخ مرتب کرنے کا جنوں پیدا ہوا۔ جس میں بوجوہ کامیاب نہ ہو سکا لیکن سات شاعروں کے منتخب کلام پر مبنی ''قرضِ قلم'' کی اشاعت میں کامیاب ہو گیا۔ جس کا مقدمہ معروف اور اپنی ذات میں اکیڈمی کا درجہ رکھنے والے جناب ماجد الباقری مرحوم نے لکھا اور ڈسکہ کے شاعروں کی اس کاوش کو بے حد سراہا۔ ''قرضِ قلم'' کی

اشاعت نے شاعری کی دنیا میں ایک نئے رجحان کو جنم دیا اور اس کی اشاعت کے بعد میں نے اس طرز کی بہت سی کتابیں شائع ہوتی دیکھیں۔

شعروشاعری کے عروج کے اسی زمانے کا ذکر کرتے ہوئے میں خود کو گنہ گار تصور کروں گا اگر میں یونس مخلص کا ذکر نہ کروں گا۔ یونس مخلص کی شاعری کے حوالے سے ہر شخص اپنے تحفظات رکھتا ہے لیکن شعر وشاعری کی ترویج اور ترقی کیلئے اس کی کوششیں بے شمار ہیں۔ بلاشبہ وہ ادبی محفلوں کی جان ہوتا تھا۔ اللہ پاک اسے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ترقی کے اس دور کی دریافت معروف شاعر امین شاد بھی ہے۔ امین شاد میرا رفیق کار تھا اور سخن فہمی کا عمدہ ذوق رکھتا تھا۔ منعقد ہونے والی نشستوں ''قرضِ قلم'' کی اشاعت اور ادبی محفلوں میں تشریف لانے والے مہمانوں سے متاثر ہو کر اسے بھی شعر کہنے کا ذوق پیدا ہوا۔ بعد میں اس نے رشید میواتی کے توسط سے باقی احمد پوری سے فیض حاصل کیا۔

میری زیرِ نظر کتاب کی اشاعت کیلئے 2002ء میں تمام انتظامات مکمل تھے کہ ایک حادثہ ایسا ہوا جس نے میری زندگی کے تمام سیٹ اَپ کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ 31 دسمبر 2001ء کی وہ تاریخ اور ظالم رات شاید میں کبھی بھی نہ بھلا سکوں۔ اس رات دو بجے میرا بیٹا سعد

اللہ اچانک کومے میں چلا گیا اور آج چھ سال گزرنے کے بعد بھی اس کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ قارئین سے درخواست ہے کہ میرے اس بچے کیلئے دعا فرمائیں۔ میں بیٹے کے غم اور علاج میں اس بری طرح الجھا کہ دنیا کے کسی کام سے سروکار نہ رہا۔ اب چھ سال گزرنے کے بعد بھی میرا بیٹا تو ٹھیک نہیں ہو سکا لیکن میں بڑی حد تک خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا۔ زیرِ نظر مجموعۂ کلام کی اشاعت کے ادھورے خواب کو تعبیر دینا چاہتا ہوں۔ اس ضمن میں امین شاد نے مجھے کتاب کی اشاعت کیلئے نہ صرف آمادہ کیا بلکہ اشاعت کے تمام مراحل میں ہر قدم پر میرے ساتھ رہا۔ شعر و شاعری کے حوالے سے صدیوں سے لکھا جا رہا ہے۔ ہر شاعر اور نقاد اس بارے میں اپنے مخصوص نظریات اور ایک معیار رکھتا ہے۔ میں اس حوالے سے کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ ماسوائے اس کے کہ میرے لکھے ان لفظوں کو پڑھ کر اگر کسی کی آنکھ کی چمک اچانک بڑھ جائے یا کوئی دل زور سے دھڑک اُٹھے تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ ریاضت ثمر بار رہی گی۔

افتخار شاھد

ڈسکہ۔0300-8644566

iftikhardsk@hotmail.com

حمد باری تعالیٰ

جگ میں جتنا جمال ہے سائیاں
سارا تیرا کمال ہے سائیاں

یہ جو پھل پھول پیڑ پودے ہیں
تیرا عکسِ جمال ہے سائیاں

آسماں بے ستوں کھڑا ہے اگر
یہ بھی تیرا کمال ہے سائیاں

تیری قدرت کا سب کرشمہ ہے
تیرا حسن و جمال ہے سائیاں

تیری بے عیب ذات ہے مالک
میرے شیشے میں بال ہے سائیاں

دو جہانوں میں معتبر رکھنا
میرا اتنا سوال ہے سائیاں

تیرے درد کا فقیر ہے شاہد
اور تجھ سے سوال ہے سائیاں

نعت شریف

اندھیری رات میں جگنو ہو یا ستارا ہو
ستم کی دھوپ میں سائے کا استعارا ہو

میرے خیال کی موجوں میں موجزن تم ہو
میرے خیال کی موجوں کا تم کنارا ہو

ترے کرم کو گوارا نہیں ، عطا نہ کرے
خلوصِ دل سے کسی نے اگر پکارا ہو

تڑپ رہا ہوں میں نعلین چومنے کیلئے
مری طرف بھی تو انگلی کا اک اشارا ہو

کہی جو نعتِ محمدؐ تو یوں لگا شاہد
کہ جیسے قرض کوئی جان کا اتارا ہو

نذرِ امام حسینؑ

تم ہو تصویرِ وفا
اور سزاوارِ جفا
تم پہ آئی تھی قضا
بن کے شہادت
تم نے پھر زندہ کیا
نامِ خدا
تم سے ہی رسم چلی
رسمِ وفا
شمع توحید کو پھر سے جلایا تو نے
نام ظلمت کا زمانے سے مٹایا تو نے
رکھ کے سجدے میں جو گردن کو کٹایا تو نے
رسمِ ایثار کو دنیا میں چلایا تو نے

اب مکمل یہ دھیان رکھنا ہے
سر پہ اک سائبان رکھنا ہے

ساتھ رہنا ہے عمر بھر لیکن
فاصلہ درمیان رکھنا ہے

سر کے اوپر زمین اوڑھیں گے
زیرِ پا آسمان رکھنا ہے

ہم نے اپنی انا بچانی ہے
اور اس کا بھی مان رکھنا ہے

ہم نے شعر و سخن کو اپنایا
اپنا باقی نشان رکھنا ہے

اپنے ہونٹوں پہ تبسم کو سجا رکھا ہے
ہم نے ہر درد کو سینے میں چھپا رکھا ہے

اس کے چہرے پہ ہے جذبوں کی حرارت شاید
اس نے سینے میں کوئی شعلہ دبا رکھا ہے

رات گہری ہے کہیں بھول نہ جائے ساجن
ہم نے دیوار پہ اک دیپ جلا رکھا ہے

اپنی سانسوں سے ترے جسم کی باس آتی ہے
ہم نے رگ رگ میں ترا نام بسا رکھا ہے

ہم نہ ہوتے تو خزائیں کہاں جاتیں شاہد
ہم نے کانٹوں کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے

آسماں پہ سب ستارے کھلکھلا کر ہنس دیئے
چاند نے جانے سنائی کیا پہیلی رات کو

پو پھٹی تو ہوگئی پھر دوستی سورج کے ساتھ
روشنی تھی چاند کی بجھی سہیلی رات کو

اجنبی سے شہر میں تنہائیوں کے خوف سے
ساتھ اپنے کرلیا میں نے اکیلی رات کو

سرد جھونکوں سے ٹھٹھر کر رہ گیا ننھا وجود
موت مل کے زندگی سے کھیل کھیلی رات کو

توڑ ڈالیں تو نے کیوں اپنی عروسی چوڑیاں
بول تیرے ساتھ کیا بیتی سہیلی رات کو

چاند مٹھی سے نکل کر آسماں پر جا لگا
میں نے شاہد جب کبھی کھولی ہتھیلی رات کو

اس کا چہرہ گیسوؤں کی زد میں ہے
چاند گویا بادلوں کی زد میں ہے

چھا گئی وحشت در و دیوار پر
شہر جیسے جنگلوں کی زد میں ہے

دل مکاں کی خیر مانگو ، دوستو!
یہ مسلسل بارشوں کی زد میں ہے

ایسا لگتا ہے زمیں سے دیکھ کر
جیسے سورج گردشوں کی زد میں ہے

زندگی اک دیپ ہے جلتا ہوا
ہر گھڑی جو آندھیوں کی زد میں ہے

وصل کی شب لگ رہا تھا اس کا دل
میرے دل کی دھڑکنوں کی زد میں ہے

ڈھلتا سورج دیکھ کر کہنا پڑا
روشنی بھی ظلمتوں کی زد میں ہے

باغباں ہے بے خبر اور آج پھر
سارا گلشن بجلیوں کی زد میں ہے

اس کا لہجہ سنائی دیتا ہے
وہ نہیں، پر دکھائی دیتا ہے

اس کی سانسوں کی باس آتی ہے
اس کا پیکر سجھائی دیتا ہے

پھول مانگو تو خار ملتے ہیں
وصل آخر جدائی دیتا ہے

کاٹ دیتا ہے پر پرندوں کے
پھر وہ حکمِ رہائی دیتا ہے

کھوجیے تو جہان ملتے ہیں
ذرہ ذرہ دہائی دیتا ہے

جب بھی دیکھوں میں آئینہ شاہد
اس کا پرتو دکھائی دیتا ہے

میرے وجود پہ چھایا خمار کیسا ہے
یہ بے سبب ہی سکون و قرار کیسا ہے

بچھڑتے وقت تو وہ بھی ملول تھا لیکن
ہواؤ! آج کہو میرے یار کیسا ہے

جو بے حساب جفاؤں کے مرتکب ٹھہرے
وہ کر رہے ہیں وفائیں شمار، کیسا ہے؟

میں جانتا ہوں تجھے لوٹ کر نہیں آنا
اے مرے یار تیرا انتظار کیسا ہے

ہمیں تو خیر خزاؤں نے کھا لیا شاہد
کیا تھا جس کو سپردِ بہار کیسا ہے

اس نے اتنا بھی نہیں سوچا دغا دیتے ہوئے
ہاتھ جل جاتا ہے شعلوں کو ہوا دیتے ہوئے

منصفو! اس فیصلے پر ایک دن پچھتاؤ گے
رو پڑا جلاد بھی مجھ کو سزا دیتے ہوئے

ڈھونڈتا رہتا ہوں تیری کج ادائی کے جواز
تیرے غم کے بجھتے شعلوں کو ہوا دیتے ہوئے

کیا کسی لمحے ذرا بھی دل ترا کانپا نہیں
زر کی خاطر دوستوں کو یوں دغا دیتے ہوئے

موت منزل ہے تو شاہد زندگی ہے راستہ
اک مسافر جا رہا تھا یہ صدا دیتے ہوئے

بجھنے لگے سراب
لووے رہے ہیں خواب

میں اک دیے کی لو
تو مثلِ آفتاب

چھوٹی سی ایک بھول
اتنا بڑا عذاب

کھلنے لگے وہ ہونٹ
جھڑنے لگے گلاب

سالوں پہ ہے محیط
لمحوں کا یہ عذاب

اپنی وفا کے نام
لکھا ہے انتساب

اگرچہ زور بڑا ظلم کی ہوا کا ہے
دیا خدا نے مجھے حوصلہ بلا کا ہے

وہ شخص میری پناہوں میں آ گیا لیکن
دھیان اس کو کسی دوسرے خدا کا ہے

چلو کہ منزلیں تم کو صدائیں دیتی ہیں
اگرچہ راستہ مشکل بہت وفا کا ہے

جو تیری بزمِ سماعت میں باریاب نہیں
مجھے تو دکھ اسی اک حرفِ نارسا کا ہے

وہ میرے طرزِ تخاطب سے کیوں پریشاں ہے
کیا دھرا یہ اسی کی کسی خطا کا ہے

میں آگے بڑھ کے اسے کیسے روک لوں شاہد
سوال دل کا نہیں ، مسئلہ انا کا ہے

آندھیوں میں کہیں جلا ہو گا
دیپ یونہی نہیں بجھا ہو گا

پھر چلیں سیرِ کوئے جاناں کو
پھر وہ پتھر لیے کھڑا ہو گا

جس کے پتھر بھی سہہ لیے ہم نے
اس کی باتوں کا کیا گلہ ہو گا

وہ جو نظریں چرا کے گزرا ہے
ہم سے وعدہ کوئی کیا ہو گا

اس نے جب داستاں کہی ہوگی
ذکر میرا بھی چھڑ گیا ہو گا

چاندنی رات ہے ملو ہم سے
ورنہ تاروں کا دل برا ہو گا

جس نے کانٹوں سے دوستی کی ہے
وہ گلوں کا ڈسا ہوا ہو گا

ہاتھ ظالم کے روکیے ورنہ
ظلم پہلے سے بھی سوا ہو گا

پوچھنا بجلیوں سے میرا پتہ
ہاں یقیناً انہیں پتا ہو گا

میرا ماتھا جہاں سے جلتا ہے
تو نے بوسہ یہاں لیا ہو گا

آج تم بھی اداس ہو شاہد
آج پھر وہ کہیں ملا ہو گا

ان دیکھا انجانا دکھ ہے
پہلے پیار کا پہلا دکھ ہے

اپنے تن کا ماس کھلایا
میں نے ایسے پالا دکھ ہے

وصل کی خوشیاں پل دو پل میں
ہجر کا لمحہ لمحہ دکھ ہے

چاہت کا بیوپار کیا ہے
خوشیاں دے کر پایا دکھ ہے

سب کے اندر جھانک کے دیکھا
خوشیاں کم اور زیادہ دکھ ہے

تجھ کو میرا غم ہے شاہد
مجھ کو تیرے غم کا دکھ ہے

ایسا بھی تو ہو سکتا ہے
پہرے دار بھی سو سکتا ہے

کوا ہنس کی چال چلے تو
اپنی چال بھی کھو سکتا ہے

بوجھ غموں کا بڑھتے بڑھتے
اک دن کم بھی ہوسکتا ہے

(ق)

ناممکن کو ممکن کر دے
جیسا چاہے، ہوسکتا ہے

میرے من کی ساری کالک
وہ چاہے تو دھو سکتا ہے

میری بات سنے تو شاہد
پتھر دل بھی رو سکتا ہے

بتوں کا عشق ہمارا یہ حال کر دے گا
سکونِ قلب سے جینا محال کر دے گا

وہ بے وفائی کرے گا تو حد کو چھولے گا
وفا کرے گا تو پھر بھی کمال کر دے گا

میں اپنی تازہ غزل اس کے نام کرتا ہوں
وہ اس کو گائے گا اور لازوال کردے گا

وہ بات بات پہ مجھ کو ہنسائے گا لیکن
کبھی کبھی وہ مجھے پر ملال کر دے گا

میں اپنی ذات میں پہلے بھی معتبر تھا مگر
خبر نہ تھی وہ مجھے بے مثال کر دے گا

وہ بے وفا ہی سہی، سنگ دل نہیں شاہد
وہ زخم دے گا مگر اندمال کر دے گا

بچھی رہتی ہے سارا سال جس پر برف کی چادر
اسی کہسار سے دریاؤں کے دھارے نکلتے ہیں

بھری دوپہر میں جذبوں کی تو نے شام کر ڈالی
خبر نہ تھی کہ اس بستی میں سورج یوں بھی ڈھلتے ہیں

شرابِ وصل کی تاثیر ہی سب سے نرالی ہے
اسے پی کر بہکتے ہیں، اسے پی کر سنبھلتے ہیں

تلاشِ رزق میں دن بھر پھرے ہو شہر کا جنگل
چلو اب شام ڈھلتی ہے، چلو اب گھر کو چلتے ہیں

چراغاں روز ہوتا ہے دلِ برباد میں شاہد
تری یادوں کے دیپک آج منڈیروں پہ جلتے ہیں

پھول کھلتے ہیں بکھر جانے کو
ہم جو جیتے ہیں تو مر جانے کو

چاند نکلا ہے تو ڈھل جائے گا
دل کا دریا ہے اتر جانے کو

ہاتھ خوشبو نے ہوا کا تھاما
چل پڑی اگلے نگر جانے کو

دل مرا آج مچل اٹھا ہے
اس گلی بارِ دگر جانے کو

اپنا سرکاٹ کے لے آیا ہوں
تری دہلیز پہ دھر جانے کو

پھر کوئی بات کیا کرتے ہیں
پہلے ہم سوچ لیا کرتے ہیں

رات بھر سوچ کے سوچیں اس کی
صبح دم رزقِ ہوا کرتے ہیں

پھول زخموں کے کھلا کر دل میں
زیبِ دستارِ انا کرتے ہیں

تم مرے پاس چلے آتے ہو
معجزے یوں بھی ہوا کرتے ہیں

اپنی باتیں ہیں نرالی سب سے
کام اوروں سے جدا کرتے ہیں

دیپ یادوں کے تری شام ڈھلے
دل کے آنگن میں جلا کرتے ہیں

چھان کر خاک ترے کوچے کی
غازہ چہرے پہ ملا کرتے ہیں

کاٹ دیتے ہیں وہ شہ پر پہلے
پھر پرندوں کو رہا کرتے ہیں

تم بڑے پاک ہو لیکن شاہد
لوگ کچھ اور کہا کرتے ہیں

تسکیں نہ دے سکا مجھے تیرا وصال بھی
منزل پہ آ کے بھی مجھے منزل نہ مل سکی

اک آگ تھی جو دل میں سلگتی رہی مدام
اک دیپ تھا کہ جس کو بجھایا نہیں کبھی

کیسے ہوا یہ راز کسی پر کھلا نہیں
ہاں حادثے پہ تبصرہ کرتے تو ہیں سبھی

یہ ٹھیک ہے کہ ہم بھی بڑے عیش کوش تھے
مشکل پڑی تو درد کی سولی چڑھے ہمی

انسان مر رہا ہے کیوں مرنے سے پیشتر
اے ربِ کائنات ! ذرا دیکھ تو سہی

تمہارے وصل کی چاہت میں کاٹ دی ہم نے
تمام عمر مسافت میں کاٹ دی ہم نے

وہ زندگی جسے کرنے کا مان رکھتے تھے
وہ ترے شوقِ رفاقت میں کاٹ دی ہم نے

ضمیر و ذہن میں کچھ فاصلے رہے ہر دم
یہ عمر یونہی سیاست میں کاٹ دی ہم نے

کھلی فضائیں بلاتی رہیں ہمیں لیکن
ترے قفس کی سیاحت میں کاٹ دی ہم نے

ہم اس گناہ کے مجرم ضرور ہیں شاہد
شبِ وصال عبادت میں کاٹ دی ہم نے

جب تک ہے تیری زلف کے سائے مرا بدن
ممکن نہیں کہ دھوپ جلائے مرا بدن

سچ کہہ دیا ہے میں نے یہی میرا فرض تھا
سولی پہ آ کے اب وہ چڑھائے مرا بدن

کھلتے ہیں اس پہ روز نئی خواہشوں کے پھول
کانٹوں پہ روز مجھ کو رلائے مرا بدن

پہلے سوچ لینا چاہیے

کوئی بھی ہو کام ، پہلے سوچ لینا چاہیے
ہوں نہ پھر ناکام ، پہلے سوچ لینا چاہیے
ہجر کی یہ رات کیسے کاٹنی ہے دوستو!
ڈھل رہی ہے شام ، پہلے سوچ لینا چاہیے

جو بولوں تو بہانے کم نہیں ہیں
سنانے کو فسانے کم نہیں ہیں

چمن بھی ریگزار دشت بھی ہیں
بہاروں کو ٹھکانے کم نہیں ہیں

تم اہلِ دل! جبیں کی خیر مانگو
جہاں میں آستانے کم نہیں ہیں

ہدف ہو سامنے تو دیکھئے گا
ہمارے نشانے کم نہیں ہیں

چمن اجڑا پڑا ہے اور شاہد
پرندوں کے ترانے کم نہیں ہیں

بادل برس پڑے گا تو ٹالا نہ جائے گا
ہم رو پڑے تو تم سے سنبھالا نہ جائے گا

مانگے کے پروہ لایا ہے اڑنے کے واسطے
پھر بھی مری اڑان سے بالا نہ جائے گا

جو ہو سکے چراغِ محبت جلایئے
مر بھی گئے تو ان کا اجالا نہ جائے گا

اہل ہنر نے موم کے پیکر بنا لیے
پتھر کسی بھی سانچے میں ڈھالا نہ جائے گا

سوز و فراق و درد و الم ہیں یہ چاہتیں
نازک ہو تم سے روگ یہ پالا نہ جائے گا

دیپ یادوں کے جب جلائے ہیں
اشک آنکھوں میں مسکرائے ہیں

تیرے ہونٹوں کے پھول پانے کو
کتنے کانٹوں کے زخم کھائے ہیں

موسموں سے عداوتیں ہیں مگر
آندھیوں میں دیے جلائے ہیں

جس کی خاطر ستم جہاں کے سہے
اس کی نظروں میں ہم پرائے ہیں

یہ خبر بجلیوں کو دے کوئی
ہم نے پھر آشیاں بنائے ہیں

پر شکستہ ہیں آرزوؤں کے
یہ پرندے مگر اڑائے ہیں

جب گلوں پر شباب آئے گا
تتلیوں پر عذاب آئے گا

چل پڑے خواہشوں کے رستے پر
ہر قدم پر سراب آئے گا

جانتا ہوں وہ خط نہیں پڑھتا
منتظر ہوں جواب آئے گا

اپنا اپنا محاسبہ کر لو
ورنہ کوئی عذاب آئے گا

تو بھی سچ بولنے کا عادی ہے
تو بھی زیر عتاب آئے گا

میری آنکھیں ہیں منتظر شاہد
کب وہ خانہ خراب آئے گا

جن کی آنکھوں میں خواب ہوتے ہیں
ان کے جیون عذاب ہوتے ہیں

وہ بھی پہلو میں خار رکھتے ہیں
جن کے چہرے گلاب ہوتے ہیں

منزلیں مت انہیں سمجھ لینا
راستوں میں سراب ہوتے ہیں

آنکھ مالی کی خون روتی ہے
قتل جب بھی گلاب ہوتے ہیں

جو تمہارے لیے کہوں ، شاہد
شعر وہ لاجواب ہوتے ہیں

جی کو ہوگا ملال رہنے دو
ذکرِ شامِ وصال رہنے دو

آج کی بات آج کرتے ہیں
وہ جو گزرا ہے سال رہنے دو

مان رکھ لو چمن کے پھولوں کا
تم اسے بے مثال رہنے دو

مجھ سے پوچھو نہ کیسے کٹتی ہے
کیسا ہوتا ہے حال رہنے دو

زیست کی دھوپ میں مرے سر پر
اپنی یادوں کی شال رہنے دو

چھوٹا سا بس ایک سوال
پیار کا اتنا کیوں ہے کال

مکھ پر گئے سمے کی دھول
سر میں چاندی جیسے بال

جاگی آنکھیں پھیلا کاجل
ٹوٹی چوڑی بکھرے بال

دیکھ فقیر کا خالی کاسہ
سارا شہر ہوا کنگال

بازاروں میں قحط کا عالم
گوداموں میں کتنا مال!

آنکھ سے آنسو بہہ نکلے ہیں
اس نے جب بھی پوچھا حال

کون چنے گا درد کے موتی
کون سنے گا میرا حال

کس نے پتھر پھینکا شاہد
دل شیشے میں آیا بال

چھوڑ اپنا جو گھر گئے ہوں گے
پھر وہ جانے کدھر گئے ہو گے

خشک پتوں کا یہ مقدر ہے
آندھیوں میں بکھر گئے ہوں گے

اب بجھے بھی تو سرخرو ہوں گے
رات روشن تو کر گئے ہوں گے

ان کا پھر نام کون لیتا ہے
راستوں میں جو مر گئے ہوں گے

جو تجھے چھوڑ کر چلے جاناں
تیرے جذبوں سے ڈر گئے ہوں گے

اشک آنکھوں میں آ گئے شاہد
پھر سمندر بپھر گئے ہوں گے

چھین کر وہ لے گیا سارے ہنر، لگنے لگا
کچھ دنوں سے خود کو میں نامعتبر لگنے لگا

قید خانے کے در و دیوار سے مانوس ہوں
قید خانے سے نکلنا پر خطر لگنے لگا

پھر مرے دل میں امنگیں کروٹیں لینے لگیں
آرزوؤں کے شجر پر پھر ثمر لگنے لگا

پھر بدن میں جاگ اٹھی ہیں ہزاروں خواہشیں
پھر مجھے در پیش اک تازہ سفر لگنے لگا

وقت کے سورج نے شاہد یہ بھی دیکھا سانحہ
بے ہنر وہ شخص سب کو باہنر لگنے لگا

حرف ہیں یا کتاب تیرے ہیں
زندگی ! سب نصاب تیرے ہیں

خوشبوئیں انتساب لکھتی ہیں
سارے کھلتے گلاب تیرے ہیں

میری آنکھیں جو خوبصورت ہیں
میری آنکھوں میں خواب تیرے ہیں

ہر نظر میں ترا سراپا ہے
ہر قدم پر سراب تیرے ہیں

میں تو گمنام شخص ہوں شاہد
تذکرے بے حساب تیرے ہیں

تم ایک بار مجھے مل کے پھر بچھڑ جانا
بغیر ہجر میری شاعری ادھوری ہے

مے نشاط کا نشہ اتارنے کیلئے
غمِ حیات کی تلخی بہت ضروری ہے

جب جوانی کا زور ٹوٹے گا
فکرِ اجر و ثواب کر لیں گے

ہم نے کس کس کے گھر کو لوٹا ہے
بیٹھ کر یہ حساب کر لیں گے

خیالوں اور خوابوں کی ردائیں لے کے نکلا ہوں
میں خوش کن منظروں کی سب ادائیں لے کے نکلا ہوں

ہمیشہ کامیابی نے قدم چومے ہیں بڑھ بڑھ کے
سفر میں جب بھی میں ماں کی دعائیں لے کے نکلا ہوں

اجالے بانٹتا پھرتا ہوں میں بستی کے لوگوں میں
میں اپنے فکر وفن کی سب ضیائیں لے کے نکلا ہوں

جو سورج کی تمازت سے بدن جھلسائے بیٹھے ہیں
انہیں کہنا میں ساون کی گھٹائیں لے کے نکلا ہوں

جہاں جتنا بھی ممکن ہو میں سب کے کام آتا ہوں
میں سب کے واسطے اپنی وفائیں لے کے نکلا ہوں

دامن کو آنسوؤں سے بھگونے سے پیشتر
ہم کتنے باوقار تھے رونے سے پیشتر

شب بھر ترے خیال کا سورج چڑھا رہا
دل میں تمہاری یاد تھی سونے سے پیشتر

باقی رہوں گا دوستو! مرنے کے بعد بھی
جیسے مرا وجود تھا ہونے سے پیشتر

دکھ بھی اگیں گے ساتھ ہی شاہد یہ سوچ لو
دل کی زمیں میں چاہتیں بونے سے پیشتر

درد میرے ضبط سے کچھ کچھ سوا پہلے بھی تھا
تو ابھی بچھڑا نہ تھا لیکن جدا پہلے بھی تھا

کیوں بھلا پھر درد کی سوغات مجھ کو دے گیا
آنسوؤں کا تو مجھے کچھ آسرا پہلے بھی تھا

وقت آیا تو مجھے پہچان سب کی ہو گئی
گو میں اپنے دوستوں کو جانتا پہلے بھی تھا

ہجر کے موسم نے بخشی سوز کی دولت مجھے
میں اگرچہ دردِ دل سے آشنا پہلے بھی تھا

ناؤ ڈوبی ہے تو اس کے اور ہی اسباب تھے
ناخدا جو آج ہے وہ ناخدا پہلے بھی تھا

آج کا جھگڑا جدائی کا بہانہ بن گیا
چھوٹی چھوٹی رنجشوں کا سلسلہ پہلے بھی تھا

تو ملا تو یوں لگا سوچیں مجسم ہو گئیں
تو نہیں تھا تو تجھے میں سوچتا پہلے بھی تھا

ہجر بادل ٹوٹ کر برسا قیامت آ گئی
درد کی طغیانیوں کا سلسلہ پہلے بھی تھا

غیر سے ملنا تو شاہد اک بہانہ بن گیا
اپنے اندر سے وہ ظالم بے وفا پہلے بھی تھا

درد کی اس آگ کو مدھم نہیں ہونے دیا
زخم کو شرمندۂ مرہم نہیں ہونے دیا

آنسوؤں کو بھی کبھی ہم نے نہیں بہنے دیا
آگ پانی کو کبھی باہم نہیں ہونے دیا

گاہے گاہے دل کی باتوں پر عمل کرتے رہے
ہاں مگر اس بات کو پیہم نہیں ہونے دیا

مسکرا کر سہہ گئے حالات کی سب سختیاں
ہم نے خود کو آج تک برہم نہیں ہونے دیا

دردِ الفت کو مرے دل میں بسانے کے لیے
پھر مجھے تو چھوڑ جا آنسو بہانے کے لیے

اور تھوڑے دیجیے الزام میری جان پر
اور تھوڑے رنگ ہوں میرے فسانے کے لیے

دل ہمارا مر گیا تھا ہجر کے پہلے ہی روز
جسم زندہ ہے سزائے موت پانے کے لیے

دریدہ دامنِ دل کو نہیں سیا ہم نے
اداسیوں کا مداوا نہیں کیا ہم نے

خیالِ یار کے آنگن میں بیٹھ کر اکثر
یہ جام، زہرِ جدائی ہے پیا ہم نے

ہوا کے دوش پہ جلنے کا گر سلیقہ ہے
یہ حوصلہ بھی چراغوں کو ہے دیا ہم نے

کہا تھا اس نے زمانے کو چھوڑنا ہو گا
سو اس کے واسطے یہ جوگ بھی لیا ہم نے

رکے تو ساتھ زمانہ ٹھہر گیا شاہد
چلے تو منزلِ جاناں کو سر کیا ہم نے

دل کا خالی مکاں ہے تم لے لو
ساتھ اک نقدِ جاں ہے تم لے لو

اس زمیں کو تو میرا رہنے دو
سر پہ جو آسماں ہے تم لے لو

دل کی کٹیا مرا اثاثہ ہے
یہ مرا کل جہاں ہے تم لے لو

خواب آنکھوں میں جگمگاتے ہیں
خوب صورت سماں ہے تم لے لو

دھوپ اتنی کڑی نہیں پھر بھی
سر پہ جو سائباں ہے تم لے لو

دل کے مچلے ہوئے جذبات سے ڈر لگتا ہے
اب مجھے اپنے خیالات سے ڈر لگتا ہے

جانے کیا بات مرے منہ سے جواباً نکلے
اس لیے تیرے سوالات سے ڈر لگتا ہے

کتنے سوئے ہوئے ارمان جگا دیتا ہے
بھیگے موسم کی عنایات سے ڈر لگتا ہے

بے یقینی کا زہر ایسے رگوں میں اُترا
ہر نئے دن، نئی رات سے ڈر لگتا ہے

جانے کس موڑ پہ کیا حادثہ پیش آ جائے
مجھ کو اس شہر کے حالات سے ڈر لگتا ہے

دو شعر

ہونٹوں کو تسکین دلائی تیرے نام کی لذت نے
دل کا سونا جنگل تیرے یادوں سے آباد کیا

اُڑتے اُڑتے جا بیٹھا اس پیڑ پہ یار کے آنگن میں
دل پنچھی کو شاہد ہم نے جب جب بھی آزاد کیا

رکھ دی ہیں سرِ شام ہی دہلیز پہ آنکھیں
گو آج ترا آنے کا وعدہ بھی نہیں ہے

اس ہجر میں جینا بھی کٹھن کام ہے لیکن
میں جاں سے گزر جاؤں ارادہ بھی نہیں ہے

سنبھلا نہیں دل گرچہ تری چارہ گری سے
ہاں درد مگر کل سے زیادہ بھی نہیں ہے

اک لذتِ پیہم کہ رگ و پے میں بسی ہے
ساقی نہیں، ساغر نہیں، بادہ بھی نہیں ہے

لکھتا ہوں تری یاد کی تختی بھی میں گاہے
یہ شوق مگر حد سے زیادہ بھی نہیں ہے

گو وصل کی لذت سے میں سرشار ہوں شاہد
یہ نشہ ترے ہجر سے آدھا بھی نہیں ہے

روز ہماری آنکھیں خواب سجاتی ہیں
روز ہمیں تعبیریں سہنی پڑتی ہیں

ناکردہ جرموں کی تہمت لگتی ہے
ایسی بھی تعزیریں سہنی پڑتی ہیں

جن لوگوں سے دل کا رشتہ ہوتا ہے
ان کی سب تقصیریں سہنی پڑتی ہیں

کچھ ہیروں کو رانجھے راس نہیں آتے
کچھ رانجھوں کو ہیریں سہنی پڑتی ہیں

جسموں کو ملبوس اُٹھانے پڑتے ہیں
لفظوں کو تحریریں سہنی پڑتی ہیں

ہم تو شاہد اپنے آپ کے قیدی ہیں
ہم کو یہ زنجیریں سہنی پڑتی ہیں

رہِ حیات میں جو دائرے ابھی تک ہیں
ضمیر و ذہن کے کچھ رابطے ابھی تک ہیں

یہ اپنی جان اصولوں کی نذر کی میں نے
غرورِ زیست مرے ضابطے ابھی تک ہیں

اندھیری شب سے ستاروں کی بھیک کیوں مانگوں
فروزاں قلب و نظر کے دیے ابھی تک ہیں

ابھی تلک ہے زمانے سے رابطہ میرا
محبتوں کے رواں قافلے ابھی تک ہیں

وہی ہے قیس وہی پتھروں کی بارش ہے
کہانیوں کے وہی سلسلے ابھی تک ہیں

وہی غزل ہے وہی لفظ ہیں وہی شاعر
وہی ردیف وہی قافیے ابھی تک ہیں

شبابِ یار ابھی تک ڈھلا نہیں شاہد
کہیں پہ خم تو کہیں زاویے ابھی تک ہیں

زور چلتا اگر بہاروں پر
پھول کھلتے مرے اشاروں پر

کیسے قاتل کہیں سمندر کو
ناؤ ڈوبی ہے جب کناروں پر

کب غلامی کی رات گزرے گی
دھوپ اترے گی کب چناروں پر

کوئی شعلہ بدن تو گزرا ہے
نقش جلتے ہیں رہ گزاروں پر

ہم اگرچہ زمیں پہ رہتے ہیں
یہ نظر ہے مگر ستاروں پر

زندگی یوں گزار دی شاہد
پھول رکھا ہو جیسے خاروں پر

سچ جھوٹ کی پہچان یہاں کون کرے گا
دکھ درد کا سامان یہاں کون کرے گا

سچ بولنا کانٹوں بھرے رستے کا سفر ہے
یہ راستہ آسان یہاں کون کرے گا

احساس کی کربل میں تمناؤں کے لاشے
دفنانے کا سامان یہاں کون کرے گا

ہر چاک گریبان رفو کرنا ہے لیکن
یہ کام مری جان یہاں کون کرے گا

گر چارہ گرِ دل بھی گریزاں رہا شاہد
پھر درد کا درمان یہاں کون کرے گا

ظلم و ستم کے سامنے سر تو نہیں جھکا
ان آندھیوں سے ایک دیا بھی نہیں بجھا

جو رہروانِ شوق تھے آگے نکل گئے
جذبہ تھا جس کا خام وہ رستے میں رہ گیا

پھر کرچیوں میں تم بھی بکھر جاؤ گے ضرور
گر پتھروں کی زد میں یونہی آئینہ رہا

کچھ دن سے میرے خواب کے منظر بدل گئے
شاہد خیالِ یار کا گلشن اُجڑ گیا

غیروں کی بات چھوڑیے غیروں سے کیا گلہ
اپنوں کی بات کیجیے اپنوں نے کیا کیا

پھر یوں ہوا کہ میری بصارت ہی کھو گئی
آنکھوں میں تیری دید کا منظر ٹھہر گیا

مدت ہوئی کہ وصل کی بارش نہیں ہوئی
پھر بھی مرے مزاج کا موسم نہیں رہا

مہمان بن کے آئے تھے اور مستقل رہے
رنج و الم کو گھر مرا اتنا بھلا لگا

محفل میں ہو رہے تھے وفاؤں کے تذکرے
اوروں کے ساتھ ذکر ہمارا بھی چھڑ گیا

شاہد وہ بے گناہ تھا چاہت کے کھیل میں
میرا ہی سب قصور تھا میں نے ہی سب کیا

کچھ اس طرح بھی میرا مقدر سنور گیا
جس سمت تھیں ہوائیں سفینہ اُدھر گیا

آلودہ اس قدر ہے فضا میرے شہر کی
سانسوں کے ساتھ زہر بھی سینے میں بھر گیا

مجھ کو ملا تو تھا مرا ہمزاد ایک دن
مجھ سے مجھی کو چھین کر جانے کدھر گیا

میں ہو گیا ہوں ان کے حوالے سے معتبر
وہ آ گئے تو میرا مقدر سنور گیا

میں صفحہ صفحہ ورثۂ اسلاف تھا مگر
تہذیبِ نو کی تیز ہوا سے بکھر گیا

بیٹھے گا کس کے سر پہ ہما اب کے دیکھیے
پھر بادشاہِ شہرِ خداداد مر گیا

کوئی تدبیر کرنا چاہتا ہوں
سحر زنجیر کرنا چاہتا ہوں

ارادے باندھ کر نکلا ہوا ہوں
نگوں تقدیر کرنا چاہتا ہوں

میں رانجھا بن کے بیلے آ گیا ہوں
تجھے میں ہیر کرنا چاہتا ہوں

محبت ہے اگر تقصیر کوئی
میں یہ تقصیر کرنا چاہتا ہوں

ابھی جذبوں کو صیقل کر رہا ہوں
انہیں شمشیر کرنا چاہتا ہوں

جگر کے پار تک اتروں گا شاہد
نظر کو تیر کرنا چاہتا ہوں

مجھے اچھا نہیں لگتا

کوئی رت ہو، کوئی موسم مجھے اچھا نہیں لگتا
تمہارے بعد یہ عالم مجھے اچھا نہیں لگتا

تمہارے روٹھ جانے سے بہاریں روٹھ جاتی ہیں
تمہارا ''موڈ'' ہو برہم ، مجھے اچھا نہیں لگتا

یا قوتِ گویائی دے یا سوچ چھین لے
یا مجھ کو کر آزاد یا سولی چڑھا مجھے

احساس گر دیا ہے سلیقہ بھی کر عطا
گر یوں نہیں تو اے خدا پتھر بنا مجھے

نہ سایہ ہے نہ رستے میں شجر ہے
مجھے درپیش اک لمبا سفر ہے

رقیبوں سے کوئی شکوہ نہیں ہے
کہ اپنا یار ہی نامعتبر ہے

تمہیں کس نے کہا تھا دل لگاؤ
کہ یہ تو خار زاروں کا سفر ہے

کہیں پَر جل نہ جائیں تتلیوں کے
تمازت دھوپ کی اب تیز تر ہے

جوانی کے گھنے جنگل میں شاہد
تمہاری یاد کا اونچا شجر ہے

عمر بھر تجھ کو بھلانے کی سعی کرتے رہے
یعنی اپنی ذات کی خود ہی نفی کرتے رہے

گو کڑے حالات تھے حالات سے لڑتے رہے
جس طرح بھی ہو سکا ہم زندگی کرتے رہے

چاند ڈوبا تو فراقِ یار میں شب بھر نجوم
سرد آہوں سے فضا کو شبنمی کرتے رہے

کچھ طبیعت بھی رہی ہے مائلِ آوارگی
کچھ ستارے بھی ہماری رہبری کرتے رہے

زخمِ دل کو مندمل ہونا نہ تھا، میرا نصیب
گو کہ مرہم درد میں کچھ کچھ کمی کرتے رہے

گم سم سی خاموش کھڑی ہے
وہ جانے کیا سوچ رہی ہے

چھت کی ہر کمزور کڑی تھی
اوپر سے برسات بڑی تھی

جیسے موم تھیں میری آنکھیں
جیسے دل میں آگ لگی تھی

جگ والوں کی مانی ہم نے
جگ والوں کی بات بڑی تھی

مجبوری کی سولی اوپر
ارمانوں کی لاش چڑھی تھی

راہیں تو آسان تھیں شاہد
پیروں میں زنجیر پڑی تھی

گویا شوخ ہوا کے ہاتھ میں خنجر تھا دو دھاری
جدھر جدھر سے گزری ساری اجڑ گئی پھلواری

توڑ ہی ڈالیں تو نے میری ذات کی سب دیواریں
چاہا لیکن بچ نہ پایا وار تھا ایسا کاری

تو بھی ضبط کے بندھن باندھ لے طوفانوں کے آگے
اپنے دل پر رکھ لیتا ہوں میں بھی پتھر بھاری

طاقتور کے ہاتھوں آج بھی لٹتے ہیں کمزور
ظلم کی کالی رسمیں دیکھو آج بھی ہی سب جاری

سودے ہوتے دیکھے آج بھی ظاہر اور باطن کے
آج بھی یہ بازار سجا ہے آج بھی ہیں بیوپاری

دعووں، وعدوں، طعنوں، تیروں کے اس کھیل میں شاہد
تم جیتے تم جیتے ساجن میں ہاری میں ہاری

لب پہ اسی کا نام ہے اس کو خبر کرو
یہ حسنِ انتظام ہے اس کو خبر کرو

درپیش اس کو تخت ہے تختے کا ہے سفر
عبرت کا یہ مقام ہے اس کو خبر کرو

یہ آخری ہیں شعر جو اس کے لیے کہے
یہ آخری سلام ہے اس کو خبر کرو

پھر یوں ہوا کسی سے وفائیں نہ ہو سکیں
یہ میرا انتقام ہے اس کو خبر کرو

اٹکا ہوا ہے سانس کا خنجر نکال دے
تھوڑا سا اب تو کام ہے اس کو خبر کرو

وہ آئے آ کے وصل سے تکمیل تو کرے
یوں عشق نا تمام ہے اس کو خبر کرو

لب پہ اک حرفِ صدا رہنے دو
مجھ کو مصروفِ دعا رہنے دو

پھر کوئی شعلہ بھڑک اُٹھے گا
مجھ کو یوں دو نہ ہوا، رہنے دو

مجھ کو پوشاک نہ دو سونے کی
میں ہوں مٹی سے بنا ، رہنے دو

اس کے چہرے کی ضیا کافی ہے
اب جلاؤ نہ دیا ، رہنے دو

ٹوٹ جانے میں عجب لذت ہے
تم مجھے ٹوٹا ہوا رہنے دو

اب نہ دو اس کی وضاحت شاہد
تم نے جو کچھ بھی کہا، رہنے دو

لفظوں پہ اب تو مجھ کو بھروسہ نہیں رہا
آنکھیں ملا کہ بات کا یارا نہیں رہا

لگتا ہوں اپنے آپ کو اس درجہ اجنبی
جیسے مرا وجود بھی میرا نہیں رہا

کس دشتِ پرفریب میں لائی ہے زندگی
سورج تو ہے مگر مرا سایہ نہیں رہا

صورت، لباس، شکل، رویہ بدل لیا
جیسا میں تیرے ساتھ تھا ویسا نہیں رہا

یادوں کا اک ہجوم ہے اس دل کے آس پاس
میں دشتِ ہجر میں بھی اکیلا نہیں رہا

شاہد نے دشمنوں سے تعلق بنا لیا
کم ظرف دوستوں کا بھروسہ نہیں رہا

لگتا ہے کوئی شہر میں پھر قتل ہوا ہے
اک شوخ نے ہاتھوں میں بھرا رنگِ حنا ہے

میں جب بھی کسی شخص کو ہنستا ہوا دیکھوں
سوچوں کہ اسے زخم کوئی گہرا لگا ہے

تم ٹوٹے ہوئے اس کے پرو بال نہ دیکھو
یہ بادِ مخالف سے بڑی دیر لڑا ہے

دکھ اس کا بھی محسوس کرو خاک نشینو!
جو شخص ارادوں کی بلندی سے گرا ہے

میں وقت کا منصور ہوں سولی پہ چڑھا دے
تو صاحبِ منصب ہے تری بات بجا ہے

جو تیر لگا اس پہ ترا نام لکھا ہے
جو زخم لگا تجھ سے ہی منسوب ہوا ہے

میں درد نہ بانٹوں گا کسی اور سے شاہد
یہ درد تو برسوں کی ریاضت کا صلہ ہے

لوگ کتنے ہیں معتبر پھر بھی
ان میں کوئی نہیں بشر پھر بھی

راستوں میں ہجوم ہے لیکن
سونا سونا لگے نگر پھر بھی

کاٹ ڈالے ہیں سب شجر ہم نے
فاختائیں ہیں بے خبر پھر بھی

ہم نے خونِ جگر سے سینچے ہیں
پیڑ سارے ہیں بے ثمر پھر بھی

سب کا روزی رساں خدا شاہد
کوئی بھوکا گیا ہے مر پھر بھی

مجھے ایسا گماں ہونے لگا ہے
فلک اب خاکداں ہونے لگا ہے

بڑھاپا جیسے جیسے آ رہا ہے
یہ دل پھر سے جواں ہونے لگا ہے

ضرور اب کوئی مشکل آ پڑی ہے
زمانہ مہرباں ہونے لگا ہے

سرِ محفل وہ ملنے آ گیا ہے
ہمارا امتحاں ہونے لگا ہے

جو کل تک نامور تھا آج شاہد
وہ بے نام و نشاں ہونے لگا ہے

محفل محفل گھوم رہا ہوں
تنہائی سے ڈر لگتا ہے

کاٹ نہ ڈالے گردن میری
اب بھائی سے ڈر لگتا ہے

آگ لگا دیتی ہے قربت
یک جائی سے ڈر لگتا ہے

آنکھ کے رستے دل میں اتروں
گہرائی سے ڈر لگتا ہے

مالک میری آنکھیں لے لے
بینائی سے ڈر لگتا ہے

اس کے شہر سے آنے والی
پروائی سے ڈر لگتا ہے

ہرجائی ہے دھوکہ دے گا
ہرجائی سے ڈر لگتا ہے

سچ کہنے سے سر جاتا ہے
سچائی سے ڈر لگتا ہے

آگے آگ کا دریا ہے اور
پسپائی سے ڈر لگتا ہے

پیار کا دعویٰ بھی ہے شاہد
رسوائی سے ڈر لگتا ہے

مری دیوانگی اب گھٹ رہی ہے
بری ہے یا بھلی ہے کٹ رہی ہے

انا بیدار ہوتی جا رہی ہے
مرے دل کے مقابل ڈٹ رہی

نظر کچھ راستہ آنے لگا ہے
تمناؤں کی دھند اب چھٹ رہی ہے

مجھے الزام تو وہ دے رہا ہے
مگر آواز دکھ سے پھٹ رہی ہے

کفن بردوش تھی جو فوج پہلے
وہی اب دو دھڑوں میں بٹ رہی ہے

نئے معیار شاہد ڈھل رہے ہیں
زمیں محور سے گویا ہٹ رہی ہے

مری سوچوں کے قافلے تجھ سے
زندگانی کے رابطے تجھ سے

ساری خوشیاں ترے حوالے سے
درد و غم کے یہ سلسلے تجھ سے

ہجر رُت میں وصال کی لذت
بن ملے یہ مزے ملے تجھ سے

چاند تاروں میں نور تیرا ہے
روشنی کے یہ سلسلے تجھ سے

جگنوؤں کی ضیا بھی تجھ سے ہے
ٹمٹماتے ہوئے دیے تجھ سے

نیک و بد کی تمیز دی تو نے
خیر و شر کے یہ فلسفے تجھ سے

حرف مجھ کو عطا کیے تو نے
اور لفظوں کے ذائقے تجھ سے

تجھ سے پھولوں کی مسکراہٹ ہے
اور پرندوں کے چہچہے تجھ سے

وصل تیرا جدائی تیری ہے
گھٹتے بڑھتے یہ فاصلے تجھ سے

مضبوط درختوں کی طرح ڈٹ کے کھڑا تھا
میں تیز ہواؤں سے بڑی دیر لڑا تھا

ہر لحظہ نیا دکھ مجھے دیتا رہا احساس
ہر لحظہ مری ذات پہ پہلے سے کڑا تھا

قامت میں تو چھوٹا تھا مگر تیرے نگر میں
افکار کے بونوں سے بہرحال بڑا تھا

میں اپنے تخیل کی کوئی سوچ تھا شاید
منظر تھا جو اپنی ہی نگاہوں میں گڑا تھا

ہیں آج پر و بال کی دشمن وہ فضائیں
میں جن کیلئے تیز ہواؤں سے لڑا تھا

یہ اپنی انا تھی کہ تہی دست رہا ہوں
ورنہ یہ زمانہ میرے قدموں میں پڑا تھا

یوں وقت کے ماتھے پہ فروزاں رہا شاہد
جیسے کہ انگوٹھی میں نگینہ سا جڑا تھا

معتبر تھا آج میں نامعتبر کیسے ہوا
کل تلک تو باہنر تھا بے ہنر کیسے ہوا

اس کی تو ہر سوچ میری ذات سے منسوب تھی
غیر کی باتوں کا پھر اس پر اثر کیسے ہوا

کس طرح سارے دیے اک ایک کر کے بجھ گئے
روشنی کا یہ سفر تاریک تر کیسے ہوا

مانتا ہوں بجلیوں سے دوستانہ تھا ترا
پھر مجھے بتلا ترا برباد گھر کیسے ہوا

ہجر موسم ، خارزارِ عشق اور تنہائیاں
آبلوں سے پوچھنا کہ طے سفر کیسے ہوا

جس طرح بھی ہو سکا ہم نے تو رکھا ہے بھرم
یہ زمانہ داستاں سے باخبر کیسے ہوا

بارشوں کی رت میں شاہد آگ کیسے لگ گئی
جل گئے ہیں خواہشوں کے بال و پر کیسے ہوا

لیے اپنا چاک دامن ترے بام تک نہ پہنچے
میری عاشقی کے قصے تیرے نام تک نہ پہنچے

تری زندگی کا سورج کبھی ڈوبنے نہ پائے
تیرے رُخ کا یہ اجالا کبھی شام تک نہ پہنچے

ترا مے کدہ تو ساقی مرے نام ہو گیا ہے
مرے تشنہ ہونٹ لیکن کبھی جام تک نہ پہنچے

موسم تیرے مزاج کا پل میں بدل گیا
چاہت کا آفتاب نکلتے ہی ڈھل گیا

باتیں تو یوں ہی عام سی کرتا رہا مگر
کتنا ستم ظریف تھا لہجہ بدل گیا

میں اس کے ساتھ بڑی دور تک چلا پھر بھی
وفا کا اس سے تقاضا نہیں کیا پھر بھی

مرا ضمیر مری راہ میں رکاوٹ تھا
مگر میں اس سے بغاوت نہ کر سکا پھر بھی

میں جانتا تھا بظاہر میں ہار جاؤں گا
مگر میں ظلم کے آگے نہیں جھکا پھر بھی

یزیدِ وقت نے پہرے بٹھا دیے لیکن
حسینیت کی قسم میں ڈٹا رہا پھر بھی

مجھے یقیں تھا مجھے موت کی سزا ہو گی
جو حرفِ حق تھا زمانے سے وہ کہا پھر بھی

تمہارے شہر میں قیمت تو خوب لگتی تھی
غرورِ عشق کا سودا نہیں کیا پھر بھی

یہ ٹھیک ہے کہ بہاریں چلی گئیں شاہد
چمن میں میری ادا کا چلن رہا پھر بھی

گو دلوں کے درمیاں اک فاصلہ قائم رہا
پھر بھی نامعلوم سا اک رابطہ قائم رہا

جھوٹ بولا اس پہ پھر سچ کی طرح قائم رہا
بے وفائی کی تو اس پہ بے وفا قائم رہا

ایک چہرے کے ہزاروں روپ دکھلانے لگا
کرچیوں میں بٹ گیا پر آئینہ قائم رہا

نرم شاخوں کا فضا میں جھولنا اچھا لگا
آندھیوں کی سمت خود کو چھوڑنا اچھا لگا

رت بہاروں کی قریب آنے کو ہے، اس واسطے
زرد پتوں کا شجر سے ٹوٹنا اچھا لگا

اپنے گھر کو واپسی کا درس مجھ کو دے گئی
لہر کا دریا میں واپس لوٹنا اچھا لگا

سبز رنگ کی چوڑیاں پہنی تھی اس نے شوق سے
پر مرے ہاتھوں سے ان کا ٹوٹنا اچھا لگا

پیار کے اس موڑ پہ بچھڑے تو ہیں شاہد مگر
ہنستے ہنستے دوستوں کو چھوڑنا اچھا لگا

وفا کے ذکر پہ تھوڑا سنبھل گیا ہو گا
بہت ذہین ہے لہجہ بدل گیا ہو گا

میں اپنے دل کو تسلی تو دے رہا تھا مگر
میں جانتا تھا کہ اب وہ بدل گیا ہو گا

وہ سنگ ہے تو یقیناً بکھر چکا ہو گا
وہ موم ہے تو یقیناً پگھل گیا ہو گا

چلو وطن کی ہواؤں میں سانس لے آئیں
اٹھو کہ جبر کا سورج تو ڈھل گیا ہو گا

غریبِ شہر کے بچوں کو دیکھ کر شاہد
امیرِ شہر کا دل بھی دہل گیا ہو گا

وقت تھوڑا ہی سہی پر کام کرنا ہے بہت
زندگی کے سر مجھے الزام دھرنا ہے بہت

چاہتا ہوں ہر گھڑی مصروفیت میں کاٹ دوں
قبر میں پھر حشر تک آرام کرنا ہے بہت

میں اس واسطے لاؤں گا ڈھونڈ کر صبحیں
اسے کہو کہ اندھیروں سے خوف مت کھائے

میں کالی رات کو گھر میں پناہ دے دوں گا
اگر یہ چاند ستاروں کو ساتھ لے آئے

میرے نصیب کی ڈوری میں الجھنیں ہیں بہت
یہ تیری زلف نہیں ہے کہ جو سنور جائے

وہ تکمیلِ محبت سے گریزاں تو رہا لیکن
وہ اس کوشش میں تھا الزام بھی اوروں کے سر آئے

اگر چہ لوٹ آیا ہوں شکستہ جسم و جاں لے کر
سفر پہ پھر میں نکلوں گا کبھی جو بال و پر آئے

امیدوں کے دریچوں کو ابھی تم کھول کر رکھنا
ہوا کے ہاتھ ہی شاید بہاروں کی خبر آئے

کسی کے پاک دامن پر لگی ہیں تہمتیں کیا کیا
جو تو سن لے تو تیری بھی یقیناً آنکھ بھر آئے

جو ممکن ہو تو تم حرفِ تمنا بھول مت جانا
ذرا تاخیر سے شاید دعاؤں میں اثر آئے

گوداموں میں مال بھرا ہے
بازاروں میں قحط پڑا ہے

دیکھ تیری دیوار کے سائے
ایک مسافر بیٹھ گیا ہے

بالآخر سب بادل ہارے
سورج بازی جیت گیا ہے

ترچھی نظر سے تیر جو نکلا
سیدھا دل میں آن لگا ہے

پھر اک ہیر کی خاطر شاہد
اک رانجھے نے جوگ لیا ہے

اک تو یہ درد نہاں تھا پہلے
اور پھر اتنا کہاں تھا پہلے

یا تو یہ چوٹ بہت گہری ہے
یا مرا عزم جواں تھا پہلے

یوں تو مذاکرات میں سب کچھ کہا سنا
یہ اور بات فیصلہ کوئی نہیں ہوا

اک سوچ ہے تو رات دن فکرِ معاش کی
جیسے خدا پہ کوئی بھروسہ نہیں رہا

شاخیں تمام کاٹ کر لوگوں میں بانٹ دیں
اب اپنے واسطے کوئی سایہ نہیں بچا

ساقی بھی دوسروں کی مدارات میں رہا
ہم نے بھی اس سے کوئی تقاضا نہیں کیا

اک یاد تھی جو ہجر کے صحرا میں کھو گئی
اک دیپ تھا جو آج سرِ شام بجھ گیا

تسخیرِ کائنات کو شاہد جو چل پڑے
پھر آسمان آپ ہی قدموں میں جھک گیا

یوں جانے کی بات نہ کیجے
پیچیدہ حالات نہ کیجے

ذکرِ وفا پہ ظالم بولا
اس موضوع پر بات نہ کیجے

رسوائی سے بچنا ہے تو
اشکوں کی برسات نہ کیجے

ضبط کے تالے ٹوٹ نہ جائیں
اظہارِ جذبات نہ کیجے

آنکھ میں ڈالے رہیے آنکھ
بے شک منہ سے بات نہ کیجے

رخ پہ زلفیں ڈال کے شاہد
دن میں کالی رات نہ کیجے

یہ ستارہ جو ڈوب جائے گا
بن کے پھر آفتاب آئے گا

رنگ خوشبو بہار کا موسم
اس کے آتے ہی لوٹ آئے گا

کون سچا ہے کون جھوٹا ہے
وقت یہ فیصلہ سنائے گا

تم ستاروں سے دوستی کر لو
چاند آنگن میں جگمگائے گا

ایسی خوش فہمیاں بھی رکھتے ہیں
وہ یقیناً ہمیں بلائے گا

دل کی ضد ہے کہ اس ستم گر کو
دوسری بار آزمائے گا

ہم نہ ہوں گے تو پھر بتا شاہد
یہ زمانہ کسے ستائے گا

یہ کیسا حشر بپا ہے چلو پتہ تو کریں
جنازہ کس کا اُٹھا ہے چلو پتہ تو کریں

قدم قدم پہ پڑے ہیں سراب راہوں میں
سفر پہ کون چلا ہے چلو پتہ تو کریں

چراغ تھے تو بجھے کیوں نہیں ہواؤں سے
سنا ہے شب کو گلہ ہے چلو پتہ تو کریں

یہ کون ٹوٹ کے رویا اداس راتوں میں
کہ چاند ڈوب چلا ہے چلو پتہ تو کریں

سنی ہے رات خزاں کی یہ گفتگو میں نے
چمن میں پھول کھلا ہے چلو پتہ تو کریں

یہ کیسی روشنی پھیلی ہے چارسو شاہد
کہاں چراغ جلا ہے چلو پتہ تو کریں

گیت میرے بیان تیرا ہے
سوچ میری دھیان تیرا ہے

پھول خوشبو ہوائیں اور بادل
تذکرہ میری جان تیرا ہے

دشت کی دھوپ میں مرے سر پر
جو ہے اک سائبان تیرا ہے

تیرا جلوہ ہے ساری چیزوں میں
ہر جگہ پر نشان تیرا ہے

میری سوچوں کے سلسلے تجھ سے
میرا وہم و گمان تیرا ہے

دل کے اندر ترا بسیرا ہے
تو مکیں ہے مکان تیرا ہے

مجھ پہ جتنا کرم ہوا شاہد
اے مرے مہربان تیرا ہے

ہم نے یہ بھی عذاب دیکھا ہے
جھوٹ کو کامیاب دیکھا ہے

دوستوں کو دغا جو دیتا ہے
اس کا خانہ خراب دیکھا ہے

آنے والا ہے موسمِ ہجراں
ان سے ملنے کا خواب دیکھا ہے

یہ بھی قدرت کا اک کرشمہ ہے
پتھروں میں گلاب دیکھا ہے

وہ قیامت سے کیا ڈرے شاہد
جس نے اس کا شباب دیکھا ہے

سچ کہوں اے دوست تیری دوستی اچھی لگی
آج اپنے گھر تری موجودگی اچھی لگی

مدتوں کے بعد ہے گھر میں بہاروں کا سماں
ان بہاروں نے جو بخشی تازگی اچھی لگی

یوں تو پہلے بھی میں تجھ سے پیار ہی کرتا رہا
زندگی تو آج مجھ کو اور بھی اچھی لگی

کھو گیا پردیس میں وہ چار پیسوں کے لیے
پیار سے اس کو زیادہ نوکری اچھی لگی

مدتوں میں روشنی کے شہر میں ٹھہرا مگر
اپنے گھر ننھے دیے کی روشنی اچھی لگی

تری صورت جو دھیان میں رکھی
دل کی تتلی اُڑان میں رکھی

تری یادوں کی اک شمع جاناں
ہم نے دل کے مکان میں رکھی

خواب دیکھے ترے حوالے سے
زیست تیری امان میں رکھی

تری صورت سی تازگی دیکھی
گل میں اور گلستان میں رکھی

ہم نے محسوس کی تری خوشبو
خوں میں، پہلو میں، جان میں رکھی

دھوپ کے ہاتھ سے مرے شاہد
لاش تھی سائبان میں رکھی

راستوں کی خیر مانگو دوستو
آبلوں کی خیر مانگو دوستو

سرکشیدہ پھر رہے ہیں شہر میں
سرپھروں کی خیر مانگو دوستو

بارشوں میں گھر سے باہر آ گئیں
تتلیوں کی خیر مانگو دوستو

سج سنور کے آ گیا وہ بام پر
اب دلوں کی خیر مانگودوستو

بستیوں میں رقص ہے شیطان کا
بستیوں کی خیر مانگو دوستو

چل رہے ہیں راستہ کٹتا نہیں
رہبروں کی خیر مانگو دوستو

قاتلوں کے ہاتھ میں انصاف ہے
اب سروں کی خیر مانگو دوستو

آئینے ہیں پتھروں کے شہر میں
آئینوں کی خیر مانگو دوستو

دوستوں نے ساتھ چھوڑا ہے اگر
دشمنوں کی خیر مانگو دوستو

چاند نکلا بدلیوں کی اوٹ سے
ظلمتوں کی خیر مانگو دوستو

مجھ کو شاہد شوق ہے تعمیر کا
بجلیوں کی خیر مانگو دوستو

روز سینے پہ نیا زخم سجا دیتے ہیں
روز وہ قید کی مدت کو بڑھا دیتے ہیں

اس نے منہ موڑ لیا ہے تو تعجب کیسا
صبح دم لوگ چراغوں کو بجھا دیتے ہیں

اب یہ منصف پہ ہے انصاف کرے یا نہ کرے
اپنا جو فرض ہے زنجیر ہلا دیتے ہیں

اپنی برباد محبت کا بھرم رکھتے ہیں
بام و در پہ جو دیے روز جلا دیتے ہیں

جن کے گھر بار میں خود آگ لگی ہو شاہد
وہ کہاں غیر کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں

اسے کہو وہ میرا خیال مت رکھے
بچھڑ بھی جائیں تو کوئی ملال مت رکھے

کبھی کبھی یہ دل کو بڑا ستاتی ہیں
اسے کہو کہ وہ یادیں سنبھال مت رکھے

میں یوں بھی دل کی منڈیروں پہ بیٹھ جاؤنگا
اسے کہو کہ وہ زلفوں کا جال مت رکھے

ملے کہیں بھی، کبھی بھی، مگر اسے کہنا
کوئی مقام کوئی ماہ و سال مت رکھے

وہ آج مجھ سے نئے عہد ہی کرے شاہد
گزشتہ وعدوں کو بے شک بحال مت رکھے

بیادِ حامد مرحوم

ضبط کرتے ہیں تو ہم تیری ہی خاطر حامد
ورنہ طوفان تو سینے میں چھپا رکھا ہے
آہ اُٹھتی ہے تو دم سادھ لیا کرتے ہیں
یوں تیرا درد زمانے سے چھپا رکھا ہے
یہ جو بھڑکے گا تو پھر تجھ کو شکایت ہو گی
ایک شعلہ کہ جسے ہم نے دبا رکھا ہے
ہم نے کاٹے ہی نہیں یاد کے ناخن شاہد
زخمِ دل آج بھی پہلے سے ہرا رکھتے ہیں

تتلیاں تو پاگل ہیں

تتلیاں تو پاگل ہیں
تتلیوں کو سمجھاؤ
بارشوں کا موسم ہے
بارشوں کے موسم میں
دلکشی تو ہے لیکن
تتلیوں کے واسطے
موت کا پیام ہے
تتلیوں کو سمجھاؤ
تتلیاں تو پاگل ہیں

مجھے رہبر سے ڈر لگنے لگا ہے
سفر اب پُر خطر لگنے لگا ہے

خزاں ہے اور جدائی کے شجر پر
اداسی کا ثمر لگنے لگا ہے

سرِ محفل میں سچ کہنے لگا ہوں
ابھی جائے گا سر، لگنے لگا ہے

میں سورج کے سفر پہ جا رہا ہوں
جلیں گے بال و پر لگنے لگا ہے

در و دیوار ویراں ہو گئے ہیں
بیاباں اپنا گھر لگنے لگا ہے

تمہارا ساتھ جس کو مل گیا، وہ
جہاں میں معتبر لگنے لگا ہے

تری قربت میں خواہش جاگتی ہے
تری قربت سے ڈر لگنے لگا ہے

خواب اور خیال

سکھ کے استعارے ہیں
غمزدوں کے چارے ہیں
خواب اور خیال تو
زندگی کے دریا کے
دوستو! کنارے ہیں

☆

گلشنِ حیات کے
یہ حسیں نظارے ہیں
ہم سے بے سہاروں کے
قیمتی سہارے ہیں
خواب اور خیال تو
زندگی کے دریا کے
دوستو! کنارے ہیں

ایک نظم

بے نتیجہ چاہتوں کے
بے کراں صحراؤں میں
عمر ساری کاٹ دی
دامنِ حیات میں
زرد آنسو بھر لیے
اپنی کشتِ جان میں
بیج غم کے بو لیے
صورتِ حالات پر
دل کے واقعات پر
گاہے گاہے ہنس دیے
گاہے گاہے رو دیے

نظم

ان جانے
اور ان دیکھے
اندیشوں میں جو گھر
جاتے ہیں
موت سے پہلے مر جاتے ہیں

مشکلوں سے نہیں ڈرے بابا
جیتے جی تو نہیں مرے بابا

جام اوروں کو بھی دیے ہم نے
اپنے پیالے بھی خود بھرے بابا

شاخِ گل کاٹ کر جلا ڈالی
تو نے یہ کیا کیا ارے بابا

سب کی آنکھوں میں ایک وحشت ہے
سب کے چہرے ڈرے ڈرے بابا

یہ دعا ہے رہیں سدا تیرے
آرزو کے شجر ہرے بابا

سوکھی کھیتی کرے ہری سائیں
کھوٹے سکے کرے کھرے بابا

میں کہ شعلہ بدست ہوں شاہد
مجھ سے رہنا ذرا پرے بابا

سبز رت کا خواب آنکھوں کو دکھایا جائے گا
جسم کو حالات کی سولی چڑھایا جائے گا

دوستوں سے پھر وفا کی آس رکھی جائے گی
آزمودہ کو مکرر آزمایا جائے گا

پتلیاں آنکھوں کی اب نیلام کر دی جائیں گی
قرض یوں بھی دید لمحوں کا چکایا جائے گا

پھر امیرِ شہر کو دستار بخشی جائے گی
پھر غریبِ شہر پر خنجر چلایا جائے گا

جب سماعت ہو چکی تو منصفوں نے یہ کہا
فیصلہ محفوظ ہے پرسوں سنایا جائے گا

اک دیا سچ کا ہے دل کے طاق میں رکھا ہوا
آندھیوں کے روبرو اس کو جلایا جائے گا

تمت بالخیر